# ابلیس کی مجلس شوریٰ

## پر

## ایک نظر

متین طارق باغپتی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# ابلیس کی مجلسِ شوریٰ!

## اقبال

۱۹۳۶

### ابلیس

یہ عناصر کا پرانا کھیل یہ دنیائے دوں
ساکنانِ عرشِ اعظم کی تمناؤں کا خوں
اس کی بربادی پہ آج آمادہ ہے وہ کارساز
جس نے اُس کا نام رکھا تھا جہانِ کاف و نوں
میں نے دکھلایا فرنگی کو ملوکیت کا خواب
میں نے توڑا مسجد و دیر و کلیسا کا فسوں
میں نے ناداروں کو سکھلایا سبق تقدیر کا
میں نے منعم کو دیا سرمایہ داری کا جنوں
کون کر سکتا ہے اُس کی آتشِ سوزاں کو سرد
جس کے ہنگاموں میں ہو ابلیس کا سوزِ دروں
جس کی شاخیں ہوں ہماری آبیاری سے بلند
کون کر سکتا ہے اُس نخلِ کہن کو سرنگوں

# پہلا مشیر

اس میں کیا شک ہے کہ محکم ہے یہ ابلیسی نظام
پختہ تر اس سے ہوئے خوئے غلامی میں غلام
ہے ازل سے ان غریبوں کے مقدر میں سجود
ان کی فطرت کا تقاضا ہے نمازِ بے قیام
آرزو اول تو پیدا ہو نہیں سکتی کہیں
ہو کہیں پیدا تو مر جاتی ہے یا رہتی ہے خام
یہ ہماری سعیِ پیہم کی کرامت ہے کہ آج
صوفی و ملّا ملوکیت کے بندے ہیں تمام
طبعِ مشرق کے لیے موزوں یہی افیون تھی
ورنہ قوّالی سے کچھ کم تر نہیں علمِ کلام
ہے طواف و حج کا ہنگامہ اگر باقی تو کیا
کُند ہو کر رہ گئی مومن کی تیغِ بے نیام
کس کی نومیدی پہ حجّت ہے یہ فرمانِ جدید
ہے جہاد اس دور میں مردِ مسلماں پر حرام

## دوسرا مشیر

خیر ہے سلطانیٔ جمہور کا غوغا کہ شر ؟
تو جہاں کے تازہ فتنوں سے نہیں ہے باخبر

## پہلا مشیر

ہوں، مگر میری جہاں بینی بتاتی ہے مجھے
جو ملوکیت کا اک پردہ ہو کیا اس سے خطر
ہم نے خود شاہی کو پہنایا ہے جمہوری لباس
جب ذرا آدم ہوا ہے خود شناس و خودنگر
کاروبارِ شہریاری کی حقیقت اور ہے
یہ وجودِ میر و سلطاں پر نہیں ہے منحصر
مجلسِ ملّت ہو یا پرویز کا دربار ہو
ہے وہ سلطاں، غیر کی کھیتی پہ ہو جس کی نظر
تو نے کیا دیکھا نہیں مغرب کا جمہوری نظام؟
چہرہ روشن، اندروں چنگیز سے تاریک تر

## تیسرا مشیر

روحِ سلطانی رہے باقی تو پھر کیا اضطراب
ہے مگر کیا اس یہودی[۱] کی شرارت کا جواب

---

[۱] کارل مارکس۔

آں کلیمِ بے تجلّی آں مسیحِ بے صلیب
نیست پیغمبر ولیکن در بغل دارد کتاب
کیا بتاؤں کیا ہے کافر کی نگاہِ پردہ سوز
مشرق و مغرب کی قوموں کے لیے روزِ حساب
اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا طبیعت کا فساد
توڑ دیں بندوں نے آقاؤں کے خیموں کی طناب

## چوتھا مشیر

توڑ اس کا رومتہ الکبری کے ایوانوں میں دیکھ
آل سیزر کو دکھایا جس نے پھر سیزر کا خواب
کون بحرِ روم کی موجوں سے ہے لپٹا ہوا
گاہ بالد چوں صنوبر گاہ نالد چوں رباب

## تیسرا مشیر

میں تو اس کی عاقبت بینی کا کچھ قائل نہیں
جس نے افرنگی سیاست کو کیا یوں بے حجاب

## پانچواں مشیر

(ابلیس کو مخاطب کرکے)

اے ترے سوزِ نفس سے کارِ عالم استوار
تو نے جب چاہا کیا ہر پردگی کو آشکار

آب و گِل تیری حرارت سے جہانِ سوز و ساز
ابلہِ جنت تری تعلیم سے دانائے کار
تجھ سے بڑھ کر فطرتِ آدم کا وہ محرم نہیں
سادہ دل بندوں میں جو مشہور ہے پروردگار
کام تھا جن کا فقط تقدیس و تسبیح و طواف
تیری غیرت سے ابد تک سرنگون و شرمسار
گرچہ ہیں تیرے مرید افرنگ کے ساحر تمام
اب مجھے اُن کی فراست پر نہیں ہے اعتبار
وہ یہودی فتنہ گر وہ روحِ مزدک کا بُروز
ہر قبا ہونے کو ہے جس کے جنوں کی تار تار
زاغ دشتی ہو رہا ہے ہمسرِ شاہین و چرغ
کتنی سُرعت سے بدلتا ہے مزاجِ روزگار
چھا گئی آشفتہ ہو کر وسعتِ افلاک پر
جس کو نادانی میں ہم سمجھے تھے اِک مشتِ غبار
فتنۂ فردا کی ہیبت کا یہ عالم ہے کہ آج
کانپتے ہیں کوہسار و مرغ زار و جوئبار
میرے آقا وہ جہاں زیر و زبر ہونے کو ہے
جس جہاں کا ہے فقط تیری سیادت پر مدار

# ابلیس

## اپنے مشیروں سے

(۱)

ہے مرے دستِ تصرف میں جہانِ رنگ و بو
کیا زمیں کیا مہر و مہ کیا آسمانِ تو بتو
دیکھ لیں گے اپنی آنکھوں سے تماشا غرب و شرق
میں نے جب گرما دیا اقوامِ یورپ کا لہو
کیا امامانِ سیاست کیا کلیسا کے شیوخ
سب کو دیوانہ بنا سکتی ہے میری ایک ہو
کارگاہِ شیشہ جو ناداں سمجھتا ہے اُسے
توڑ کر دیکھے تو اس تہذیب کے جام و سُبو
دستِ قدرت نے کیا ہے جن گریبانوں کو چاک
مزدکی منطق کی سوزن سے نہیں ہوتے رفو
کب ڈرا سکتے ہیں مجھ کو اشتراکی کوچہ گرد
یہ پریشاں روزگار، آشفتہ مغز، آشفتہ ہو
ہے مگر مجھ کو خطر کوئی تو اس اُمت سے ہے
جس کی خاکستر میں ہے اب تک شرارِ آرزو
خال خال اس قوم میں اب تک نظر آتے ہیں وہ
کرتے ہیں اشکِ سحرگاہی سے جو ظالم وضو

جانتا ہے جس پہ روشن باطنِ ایام ہے
مزدکیت فتنۂ فردا نہیں، اسلام ہے

(۲)

جانتا ہوں میں یہ اُمت حاملِ قرآں نہیں
ہے وہی سرمایہ داری بندۂ مومن کا دیں
جانتا ہوں میں کہ مشرق کی اندھیری رات میں
بے یدِ بیضا ہے پیرانِ حرم کی آستیں
عصرِ حاضر کے تقاضاؤں سے ہے لیکن یہ خوف
ہو نہ جائے آشکارا شرعِ پیغمبر کہیں
اَلْحَذَر! آئینِ پیغمبر سے سو بار اَلْحَذَر!
حافظِ ناموسِ زن، مرد آزما، مرد آفریں
موت کا پیغام ہر نوعِ غلامی کے لئے!
نے کوئی فغفور و خاقاں، نے فقیرِ رہ نشیں
کرتا ہے دولت کو ہر آلودگی سے پاک و صاف
مُنعموں کو مال و دولت کا بناتا ہے امیں
س سے بڑھ کر اور کیا فکر و عمل کا انقلاب
پادشاہوں کی نہیں، اللہ کی ہے یہ زمیں
چشمِ عالم سے رہے پوشیدہ یہ آئیں تو خوب
یہ غنیمت ہے کہ خود مومن ہے محرومِ یقیں
ہے یہی بہتر الٰہیات میں اُلجھا رہے
یہ کتاب اللہ کی تاویلات میں اُلجھا رہے

(۳۴)

توڑ ڈالیں جس کی تکبیریں طلسمِ شش جہات
ہو نہ روشن اس خدا اندیش کی تاریک رات
ابن مریم مر گیا یا زندۂ جاوید ہے
ہیں صفاتِ ذاتِ حق، حق سے جدا یا عینِ ذات
آنے والے سے مسیحِ ناصری مقصود ہے
یا مجدد جس میں ہوں فرزندِ مریم کے صفات
ہیں کلام اللہ کے الفاظ حادث یا قدیم
اُمتِ مرحوم کی ہے کس عقیدے میں نجات
کیا مسلماں کے لیے کافی نہیں اس دور میں
یہ الٰہیات کے ترشے ہوئے لات و منات
تم اسے بیگانہ رکھو عالمِ کردار سے
تا بساطِ زندگی میں اس کے سب مُہرے ہوں مات
خیر اس میں ہے قیامت تک رہے مومن غلام
چھوڑ کر اوروں کی خاطر یہ جہانِ بے ثبات
ہے وہی شعر و تصوّف اس کے حق میں خوب تر
جو چھپا دے اس کی نظروں سے تماشائے حیات
ہر نفس ڈرتا ہوں اس اُمت کی بیداری سے میں
ہے حقیقت جس کے دیں کی احتسابِ کائنات
مست رکھو ذکر و فکرِ صبح گاہی میں اُسے
پختہ تر کر دو مزاجِ خانقاہی میں اُسے

# ابلیس کی مجلسِ شوریٰ پر ایک نظر

نور و ظلمت، خیر و شر اور حق و باطل کی کشمکش روزِ ازل سے چلی آرہی ہے۔ آدم و ابلیس ایک دوسرے کے حریف کی حیثیت سے دنیا میں اتارے گئے ہیں۔ دونوں حریفوں کا دائرۂ کار الگ الگ ہے۔ آدم اپنی راہ پر جا رہا ہے اور ابلیس اپنی راہ پر۔ ابنِ آدم کی راہ وہ صراطِ مستقیم ہے جو عین منشائے ربِ کریم ہے اس کے برعکس شیطان کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ کسی طرح ابنِ آدم کو صراطِ مستقیم سے ہٹا کر غلط راستے پر ڈال دے جس سے فساد فی الارض کا فتنہ کھڑا ہو سکے۔

چنانچہ شیطان نے اپنی قوتوں سے کام لے کر فرعون، نمرود اور ابو جہل کی صورت میں پہلے بھی اپنے بہت سے نمائندے کھڑے کر کے فتنہ و فساد پھیلانے کی کوشش کی ہے اور آج بھی وہ یورپ کی مشینوں کا سہارا لے کر انسان کو بہکا رہا ہے۔ پھسلا رہا ہے اور عارضی طمانیت کے سبز باغ دکھلا کر اس سیدھی سچی راہ سے بھٹکانے کی فکر میں ہے۔

نتیجتاً انسان اپنے پیدا کرنے والے کو بھول کر شرک، بت پرستی کی ٹیڑھی میڑھی پگڈنڈیوں پر ہولیا ہے اور اس کے مجلۂ دماغ کو دولت و ثروت، حکومت و سلطنت، نسل و وطن اور رنگ و خون کے لاتعداد بتوں نے گھیر لیا ہے۔ شیطانی تہذیب پورے کمال پر پہنچ گئی ہے۔ بے حجابی و عریانی لوگوں کا شعار بن چکی ہے اور مستقبل تاریک سے تاریک تر ہوتا جا رہا ہے۔ انسان کی اخلاقی، روحانی اور مادی زندگی ہلاکت میں مبتلا ہے، نیز اس کے چاروں طرف سیہ کاری، بداعمالی، ظلم و بے انصافی اور قتل و غارت گری کے حلقے وسیع تر ہونے جا رہے ہیں۔

## شیطان کی فتوحات

اس نظارے سے اقبالؔ جو ایک ذکی الحس شاعر، نبّاضِ دوراں، حکیم اور بیدار مغز مردِ مومن ہے، بےچین ہو جاتا ہے، اس کا اضطراب بڑھتا چلا جاتا ہے، وہ اس متعدی مرض کا علاج ڈھونڈھنا چاہتا ہے۔ اسی تلاش و جستجو میں اس کی روحِ شاعری ایسے مقام پر پہنچ جاتی ہے جہاں ابلیس کی مجلس مشاورت منعقد ہے اور پُرانا گھاگ ابلیس اپنے شاگردانِ رشید کے حلقہ میں بیٹھا حالاتِ حاضرہ پر تبصرہ کرنے میں مصروف ہے۔ اس بیچ میں ہمارا شاعر بھی آنکھ بچا کر اس خلوتِ خاص میں جا پہنچتا ہے اور آخر تک مجلس میں شریک رہتا ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ وہ سب کو دیکھ لیتا ہے لیکن اس کو کوئی نہیں دیکھ سکا اور آخر میں مجلس مشاورت کے رازہائے سربستہ معلوم کر کے چلا آتا ہے، کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوتی حتیٰ کہ وہ خواجۂ اہلِ فراق جس کے سامنے الیاس و خضر بھی بے دست و پا ہیں، جس کے طوفان یم بہ یم دریا بہ دریا

جُو بہ جُو پھیلے ہوئے ہیں، بے خبر محض کرسئ صدارت پر متمکن اپنے انا ولاغیری کے زعمِ باطل میں کہتا چلا جاتا ہے کہ میری فتوحات یہ اور یہ ہیں اور آج دنیا میں ہر طرف میرا سکہ رواں دواں ہے نیز

میں نے دکھلایا فرنگی کو ملوکیت کا خواب
میں نے توڑا مسجد و دیر و کلیسا کا فسوں
میں نے ناداروں کو سکھلایا سبق تقدیر کا
میں نے مُنعم کو دیا سرمایہ داری کا جنوں

یعنی شہنشائیت اور پاپائیت کے گٹھ جوڑ کی قلعی کھول دی ہے اور اب کلیسا اور شہنشاہ کے خلاف عوام میں باغیانہ رجحانات پیدا ہو رہے ہیں اور اس طرح جو معاشرہ وجود میں آرہا ہے وہ ہمدردی، تعاون، رحم و شفقت اور اس نوع کے تمام جذبات سے عاری اور اس کے برعکس سفلہ قسم کے جذبات سے لبریز ہو گیا ہے۔ سرمایہ داروں کی خود غرضی اور ہوسِ نفع اندوزی کے باعث انسان کی انسانیت اور روحانی و اخلاقی رفعتوں کا جنازہ نکل چکا ہے جس کے باعث آج ہر طرف ایک انتشار برپا ہے کہ خود

اس کی بربادی پہ آج آمادہ ہے وہ کارساز
جس نے اس کا نام رکھا تھا جہانِ کاف و نوں

اپنے استاد ولی نعمت کی یہ لاف و گزاف سُن کر تمام شاگردانِ رشید جو عقلِ فسوں پیشہ سے کورے ہیں، ہاں میں ہاں ملاتے ہیں اور ایک مشیر کہتا ہے:

## مسلمانوں کی حالتِ زار اور پہلے مشیر کا تبصرہ

اے میرے آقا!
اس میں کوئی شک نہیں

کہ تیرا پھینکا ہوا پانسہ سولہ آنے ٹھیک ہے اور تیرا پھیلایا ہوا جال بڑا مضبوط اور محکم ہے، یہ اسی محکم پالیسی کا نتیجہ ہے کہ عوام خوئے غلامی میں پختہ ہو گئے ہیں، اُن میں احساسِ ذات کی تربیت مفقود ہے اور جذبۂ حُریت سرد پڑ گیا ہے، یہ تیرے ہی اثرات کی برکت ہے کہ آج توحید کے دعوے دار صوفی و مُلّا تک ملوکیت کے بندے بنے ہوتے ہیں، اُن کا دماغ ان کا نہیں، اُن کا فکر اُن کا نہیں اور یہ اپنی کوئی رائے نہیں رکھتے، وہ اگر سوچتے ہیں تو دوسرے کے دماغ سے، وہ اگر دیکھتے ہیں تو دوسروں کی آنکھوں سے اور بقول ایک بڑے مسلمان مفکر کے "مسلمان ملت، مغربی لباس، مغربی معاشرت، مغربی عادات و اطوار حتٰی کہ چال ڈھال اور بول چال میں" مغربی طریقوں کی دلدادہ ہے اور آج مسلم سوسائٹی کو مغربی سانچوں میں ڈھالنے کی کوششیں ہو رہی ہیں، الحاد و دہریت اور مادہ پرستی کو فیشن کے طور پر مسلمان اپنا رہے ہیں۔ ہر وہ پختہ یا خام تخیل جو مغرب سے آیا ہے اس پر ایمان لانا اور اپنی مجلسوں میں اس کو معرضِ بحث بنانا روشن خیالی کا لازمہ سمجھا جا رہا ہے شراب، جُوا، لاٹری، ریس، تھیٹر، رقص و سرود اور مغربی تہذیب کے دوسرے ثمرات کو ہاتھوں ہاتھ لیا جا رہا ہے، شائستگی، اخلاق، معاشرت، معیشت، سیاست، قانون حتٰی کہ مذہبی عقائد اور عبادات کے متعلق بھی جتنے مغربی نظریات یا عملیات تھے ان کو کسی تنقید اور کسی فہم و تدبر کے بغیر اس طرح تسلیم کیا گیا کہ گویا وہ آسمان سے اتری ہوئی وحی ہیں جس پر سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا کہنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔

اور یوں اِن میں طواف و حج کے ہنگامے ابھی تک باقی ہیں مگر تلوار

کند ہوکر رہ گئی اور اس دور میں جہاد مردِ مسلمان پر حرام ہوگیا۔ وہی مسلمان جو کبھی غیر محدود طاقت کا مالک تھا، جو قوموں کی تقدیروں کے فیصلے کرتا تھا، جس کی ہیبت وسطوت سے تختِ شاہی کانپنے لگتے تھے، آج اس کا سینہ سوز و حرارت سے خالی ہے، سخت کوشی کا وصف اس سے رخصت ہو چکا ہے اور اب زندگی کی طاقتِ نمو اُس میں مفقود ہے، شش جہات میں اس کی تکبیریں اب نہیں گونجتیں۔ حاجی، حافظ، صوفی، مُلّا اور مجاہد سب کے سب ملوکیت کے غلام ہیں اور اسی صنمِ دلرُبا کے قدموں پر اپنا جذبۂ حرّیت رہن رکھ کر جہاد بالسّیف کے بجائے مجاہدہ بالتسبیح، عزلت گزینی اور گوشہ نشینی کی نذر ہو گئے ہیں، نیز اسی عزلت گزینی کی بدولت مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت نے دنیوی معاملات سے دلچسپی لینی چھوڑ دی ہے، چنانچہ خدا ترس اور مذہبی رجحان رکھنے والے طبقہ کے تارک الدّنیا ہو جانے سے شر و فساد پیدا کرنے والا گروہ دنیاوی اختیارات پر قابض ہوگیا ہے جس سے چاروں طرف شر و فساد کا بازار گرم ہے اور مشرق و مغرب میں اُکھاڑ پچھاڑ اور اُتھل پتھل ہو رہی ہے جو ہمارے لیے خوش آئند بات ہے۔ اس موقع پر پہلے مُشیر کے مافی الضمیر کی ادائیگی کے لیے اقبال کے قلم کے آبشار سے جو اشعار نکلے ہیں وہ بڑے بلیغ ہیں ؎

اس میں کیا شک کہ محکم ہے یہ ابلیسی نظام
پختہ تر اس سے ہوئے خوئے غلامی میں غلام
ہے ازل سے ان غریبوں کے مقدر میں سجود
اِن کی فطرت کا تقاضا ہے نمازِ بے قیام

یہ ہماری سعیِ پیہم کی کرامت ہے کہ آج
صوفی و ملّا ملوکیت کے بندے ہیں تمام
ہے طواف و حج کا ہنگامہ اگر باقی تو کیا
کُند ہو کر رہ گئی مومن کی تیغِ بے نیام
کس کی نومیدی پہ ہے حجّت یہ فرمانِ جدید
ہے جہاد اس دور میں مردِ مسلماں پر حرام

واقعہ یہ ہے کہ مسلمانوں میں جوشِ جہاد سرد پڑنے کی وجہ سے اُن میں شاہینی صفات ناپید ہو گئیں، اُن میں روباہیت، گوسفندیت سرایت کر گئی اور اب اُن کے رگ و پے میں نہ مستیٔ کردار باقی ہے نہ مجاہدانہ حرارت کی کوئی چنگاری ہے، اب اُن کے نزدیک نہ اسلام کی قوت و شوکت اور جلال و سطوت کا کوئی تخیّل رہا نہ خودداری و خودکوشی کا کوئی نصب العین۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ دنیا میں ابلیسی نظام کو فروغ کا موقع نصیب ہوا اور اس کو استحکام ملا اور اسی سے سوشلزم، کمیونزم اور سلطانیٔ جمہور جیسی بے قید قسم کی تحریکیں اُبھریں، یہ سب پہلے مشیر کی نظر میں شاندار مستقبل کی علامت ہیں۔

## دوسرے مشیر کی رائے

اتنا سُن کر دوسرا مشیر شبہ ظاہر کرتے ہوئے کہتا ہے کہ یہ تیری ناتجربہ کاری کی باتیں ہیں ورنہ تو سلطانیٔ جمہور کا عمل جو اس وقت دنیا میں پھیلا ہوا ہے یہ ہمارے لیے بڑا فتنہ ہے۔ اس سے ملوکیت کی جکڑ بندیاں ڈھیلی پڑ جائینگی، شاہی چنگیزیت ختم ہونے سے عوام اطمینان کا سانس لینے لگیں گے، ان میں احساسِ ذات بیدار ہو جائے گا جس سے ہمارے کام میں مزید دشواریاں

پیدا ہو جائیں گی اس لیے وہ کہتا؎

خیر ہے سلطانیٔ جمہور کا غوغا کہ شر

تو جہاں کے تازہ فتنوں سے نہیں ہے باخبر

اس پر پہلا مشیر جواب دیتا ہے کہ دراصل یہ جمہوریت تو ملوکیت کے ظلم اور استبداد کے عمل کو چھپانے کے لیے ایک رنگین پردہ ہے۔ اس پردے میں کام سب وہی ہوں گے جو ملوکیت کا لازمہ ہیں۔ بندے پھر بندے رہیں گے، ان کی ناک میں غلامی کی نکیل جوں کی توں پڑی رہے گی۔ وہ مملکت کی قربان گاہ پر اب بھی بھینٹ چڑھتے رہیں گے اور کٹھ پتلی بنے ناچتے رہیں گے کیونکہ

کاروبارِ شہریاری کی حقیقت اور ہے

یہ وجودِ میر و سلطاں پر نہیں ہے منحصر

مجلسِ ملت ہو یا پرویز کا دربار ہو

ہے وہ سلطاں غیر کی کھیتی پہ ہو جس کی نظر

## کاروبارِ شہریاری کے نتائج

حرص و ہوس کا یہ جذبہ جس قوم میں بیدار ہو جاتا ہے وہ نورِ حق سے محروم ہو جاتی ہے، اس میں خود غرضی اور مفاد پرستی کے جذبات پرورش پاتے ہیں، دوسروں کو غلام بنانا اور مکر و فریب کے ذریعہ اپنے مقصد کے لیے استعمال کرنا ان کا شعار بن جاتا ہے۔ اس کے لیے مختلف قسم کی تدابیر کام میں لائی جاتی ہیں، کبھی قوموں کے اندر پھوٹ ڈالی جاتی ہے، کبھی کچھ پٹھوؤں کو ظاہری اعزاز عطا کر کے ان کے اعلیٰ اقدار پر ضرب لگائی جاتی ہے، کبھی نظامِ تعلیم

کو ایسے سانچوں میں ڈھالا جاتا ہے جس کو حاصل کر کے بیٹے باپ کو خبطی سمجھنے لگتے ہیں، مذہبی رہنماؤں پر نعائم و لذائذ کی جنت کے دروازے کھول کر ان سے اپنے گمراہ کن نظریات کی تائید کرائی جاتی ہے۔ کبھی خطراتِ زندگی سے خوفزدہ کر کے اپنے سایۂ عاطفت میں رہنے کی دعوت دی جاتی ہے کبھی تہذیب و شائستگی کے نام پر قوموں کی آزادی سلب کی جاتی ہے غرض اس طرح اقوامِ غالب کی جادوگری کثرتِ رائے کے بل پر کارفرما رہتی ہے۔اس کا ثبوت مغرب کے موجودہ جمہوری نظام سے مل سکتا ہے جس کا چہرہ بظاہر کتنا تابناک نظر آرہا ہے مگر باطن چنگیز سے بھی تاریک تر ہے۔

## جمہوری طرز سے نقصانات

شخصی حکومت میں ایک فردِ واحد نگراں ہوتا تھا اس لیے ظلم و ستم کا کاروبار محدود تھا مگر اب جمہور کی زبان نے فرمانروائی کا مزا چکھ لیا ہے جمہور کے سینکڑوں ہاتھ اور سیکڑوں آرزوئیں ہیں جس کے باعث جبر و استبداد کے نئے نئے ہتھکنڈے نکل آئے ہیں۔ چنانچہ انسان پر انسان کی حکومت کرنے کا جذبہ اور دوسروں کو غلام بنانے کی حرص و ہوس جوں کی توں قائم ہے اور اس نام نہاد جمہوری نظام کے پیچھے وہی روح شہنشاہیت کارفرما ہے۔ دراصل ہم نے خود شاہی کو جمہوری لباس پہنایا ہے تاکہ انسان کا ضمیر انسانیت، ہمدردی اور باہمی محبت کے اخلاقِ حسنہ کو بھول کر کبر و خودپسندی کی دلدل میں پھنس جائے۔

## تیسرے مشیر کی تشویش

تیسرا مشیر یہ لمبی تقریر سن کر کہتا ہے کہ اگر ایسی بات ہے اور اس نظامِ نو کے

پیچھے وہی روحِ سلطانی اور فطرتِ چنگیز کار فرما ہے تو پھر کچھ تردّد نہیں کیونکہ یہ تو ہماری عین منشا کے مطابق ہے۔ لیکن تمہارے پاس اس یہودی کارل مارکس کی شرارت کا کیا جواب ہے جس نے قیصریت کا چراغ گُل کر کے مزدوروں اور غلاموں کو اُکسا کر آقاؤں کے مقابل لا کھڑا کیا ہے اور نوبت یہاں تک آ پہنچی ہے کہ انسانوں کا بے زبان گلّہ جو چند مٹھی بھر لوگوں کی چشم و ابرو کے اشاروں پر تگنی کا ناچ ناچتا تھا آج حقوق طلبی کے لیے آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑا ہے اور ماضی کے سربراہ بیچارگی کے عالم میں اپنے چھنتے ہوئے تختِ طاؤس کو دیکھ رہے ہیں حالانکہ یہی ہمارے گُرگے تھے، اُنھیں کے کندھوں سے ہم اپنے تیر سَر کرتے تھے۔ انہیں کی بدولت دنیا میں طرح طرح کے معائب کی گرم بازاری تھی، اب اگر یہ نظام ختم ہو گیا تو ہمارا کام بھی سرد پڑ جائے گا۔ اقبال نے اس گفتگو کو بڑے مؤثرانداز میں اس طرح پیش کیا ہے ؎

روحِ سلطانی رہے باقی تو پھر کیا اضطراب
ہے مگر کیا اس یہودی[1] کی شرارت کا جواب
وہ کلیمِ بے تجلّی وہ مسیحِ بے صلیب
نیست پیغمبر و لیکن در بغل دارد کتاب

---

[1] حاشیہ:۔ یہاں اقبال کی مراد کمیونزم د اشتراکیت کے بانی کارل مارکس سے ہے جس کو روس کی حدود میں "پیغمبرِ بے جبرئیل" کی حیثیت حاصل ہے، جس کی کتاب "سرمایہ" (DE-CAPITAL) کو (باقی حاشیہ صفحہ ۲۰ پر)

کیا بتاؤں کیا ہے کافر کی نگاہِ پردہ سوز
مشرق و مغرب کی قوموں کے لیے روزِ حساب
اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا طبیعت کا فساد
توڑ دی بندوں نے آقاؤں کے خیمے کی طناب

---

(گذشتہ صفحہ کا باقی حاشیہ) اشتراکیوں میں وہی پوزیشن حاصل ہے جو عیسائیوں میں بائیبل کو۔ مارکس نے اپنی اس کتاب میں غلط نظام سے انسانوں کو نجات پانے کی یہ شکل تجویز کی کہ سرمائے کو انفرادی تصرف سے نکال کر قوم کے قبضے میں دے دیا جائے اور ملک کے حدود میں بسنے والے سب لوگ اپنی قوت و استعداد کو حکومت کے مقرر کردہ پروگرام کے مطابق کام میں لائیں اور حکومت ان کی زندگی کی ضروریات کی کفیل ہو۔ لیکن اقبال اس نظریہ کو باطل گردانتے ہیں کیونکہ اس کی بنیاد "شکم پروری" پر رکھی گئی ہے جو مقصدِ حیات انسانی کے معیار سے فروتر ہے جس کا کام جانوروں کی طرح کام کرنے اور پیٹ بھرنے کے سوا کچھ نہیں ہے۔ آج جیسا کہ ہر آدمی کو معلوم ہے کہ یہ تحریک نظریاتی حد سے گذر چکی ہے اور اس کے نتائج سامنے آگئے ہیں کہ اقبال کے اندیشے غلط نہیں تھے۔ روس کی موجودہ ڈکیٹر شپ (آمریت) کسی طرح بھی چنگیزیت سے کم نہیں ہے۔ اس ملک کی آہنی دیواروں کے پیچھے اگر جھانک کر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ

- انسان اپنے بنیادی حقوق سے بھی محروم ہے۔
- آمریت کے خلاف کسی کو آواز بلند کرنے کی اجازت نہیں ہے۔
- ایوانِ حکومت کے سربراہوں اور قصر سے باہر بسنے والوں کی (باقی اگلے صفحہ پر)

یہ گفتگو سُن کر چوتھا مُشیر جو اَب تک اپنے دونوں ساتھیوں کی گفتگو سُن رہا تھا بڑے پُراعتماد لہجہ میں کہتا ہے کہ اس کا توڑ تو نعرۂ فسطائیت[۱] میں پوشیدہ ہے جو روبۃ الکبریٰ سے بلند ہوا ہے۔

## فرنگی تہذیب کا اصل منشاء

تیسرے مشیر نے اپنے ساتھی کی بات کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ میں تو مسولینی کی ہوش مندی کا زیادہ قائل نہیں ہوں کیونکہ اس نے تو حبشہ پر

---

(گذشتہ صفحہ کا باقی حاشیہ) زندگی میں زمین آسمان کا فرق ہے۔

● —— بس اتنا ضرور ہے کہ دولت (سرمایہ) پر مشترکہ قبضہ ہے مگر یہ بھی اخلاق، مذہب اور خودداری جیسے بلند پایہ جوہر کو کھو کر دستیاب ہوا ہے۔

[۱] فسطائیت بھی آمریت، اشتراکیت اور جمہوری نظریہ کی طرح مغربی پیداوار ہے۔ اس کا تعلق اٹلی کے مشہور ڈکٹیٹر مسولینی سے ہے اس نے اپنے عہد اقتدار میں معاشیات کے حل کے طور پر پیش کیا تھا۔ اس نظریہ میں ڈکٹیٹر کو معصوم عن الخطا سمجھا جاتا ہے اور عوام کی تربیت اس نصب العین کو سامنے رکھ کر کی جاتی ہے کہ ڈکٹیٹر قوم کا نجات دہندہ ہوتا ہے، اس کو ہر طرح کا سیاہ و سفید کا اختیار حاصل ہے۔

اس نظام میں تمام افراد صرف ایک شخص کے احکامات کے اسیر ہو جاتے ہیں، اس کے خلاف آواز بلند کرنا سب سے بڑا جرم ہے۔ عوام کا کام صرف امیر کی اطاعت کرنا ہوتا ہے۔ اقبالؒ اس نظریہ کو بھی اسلامی زندگی کے منافی سمجھتے تھے اور جنگِ عظیم کے بعد تو یہ اپنی موت آپ مر چکا البتہ مسولینی کی تحریکِ عمل کو وہ اچھا سمجھتے تھے۔

حملہ کرکے وہ پردہ بھی اٹھادیا ہے جو ہم نے فرنگی مدنیت پر ڈال رکھا تھا۔ اس کے اس عمل سے مغربی تہذیب کا بھانڈا چوراہے پر پھوٹ گیا ہے اور اس کی خرابیاں وقت سے پہلے طشت از بام ہوگئی ہیں۔ چنانچہ نظم کے اس حصے کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اقبالؔ حبش پر اٹلی کے جارحانہ حملے سے بہت متاثر تھے۔

ویسے تو تمام مغربی اقوام کے عزائم یہی کچھ ہیں۔ کہ بنی نوعِ انسان کو غلام بنایا جائے اور خونِ مزدور سے اپنے در و بام کو سجایا جائے۔ اب تک یہ کام اصلاح و آئین کے نام پر ہوتا رہا ہے لیکن مسولینی نے اپنی نا عاقبت اندیشی سے اس طریقِ سیاست کو بے حجاب کر دیا ہے اس لیے وہ تیسرے مشیر کے منہ سے کہلواتے ہیں ؎

میں تو اس کی عاقبت بینی کا کچھ قائل نہیں

جس نے افرنگی سیاست کو کیا یوں بے حجاب

اس مکالمے کے بعد پانچواں مشیر بھی اپنی زبان کھولتا ہے اور گرگِ باراں دیدہ سب سے بڑے ابلیس سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ :

اے آقا ! اس میں کوئی شک نہیں کہ تیرے دم سے یہ کارِ عالم استوار ہے، یہاں کے آب و گل میں تیری کشش سے قوتِ نمو ہے اور تیرے زبردست ہتھکنڈوں کے سارے افرنگی جادوگر مُرید ہیں اور تیری کرشمہ سازیوں کی بدولت استعماریت، وطنیت، لامذہبیت، استحصال بالجبر، ہوسِ اقتدار اور حرص و آز کے فتنے چاروں طرف پھیل گئے ہیں مگر میں خاکم بدہن عرض کرتا ہوں کہ میرے خیال میں بھی یہ مزدکیت جس کی بنیاد نفی کے نظریہ پر رکھی گئی ہے ہمارے لیے ایک بڑا فتنہ ہے۔ خدا کی نفی، ملوکیت کی نفی، املاک

کی نفی، حکومت کی نفی، حتیٰ کہ زندگی کی نفی'' اِدھر سے اُدھر تک نفی ہی نفی کا کاروبار پھیلا ہوا ہے جس کے باعث ؎

فتنۂ فردا کی ہیبت کا یہ عالم ہے کہ آج
کانپتے ہیں کوہسار و مرغزار و جوئبار
میرے آقا وہ جہاں زیر و زبر ہونے کو ہے
جس جہاں کا ہے فقط تیری سیادت پر مدار

اس لیے مجھے ڈر ہے کہ چند روز میں یہ تانے بانے ٹوٹ جائیں گے، تیری بچھائی ہوئی بساط اُلٹ جائے گی کیونکہ زہر سے زہر مل کر سَمِّ قاتل بن جاتا ہے اور ہم اس دنیا میں ناکارہ بن کر رہ جائیں گے۔

## ابلیس کی لاف وگزاف

پانچویں مُشیر کی بات سُن کر آخر پُرانا گھاگ ابلیس جو صورت حال کا اچھی طرح جائزہ لے چکا ہے، اپنی گردن اونچی کر کے ایک لمبی تقریر کرتا ہے اور اپنے چیلوں چانٹوں کو سمجھاتا ہے کہ تم یہ کیا باتیں کر رہے ہو اور اپنے دل میں کیسے اندیشوں کو جگہ دے رہے ہو؟ حالات کے اتار چڑھاؤ سے گھبراؤ نہیں! میری قوتیں بے پایاں ہیں، میرے دستِ تصرف میں یہ سارا جہانِ رنگ و بو ہے اور میں تو لوگوں کے دلوں تک پر اثر رکھتا ہوں، وہ چاہے امامانِ سیاست ہوں یا کلیسا کے شیوخ، سب کو میرا ایک نعرہ دیوانہ بنا سکتا ہے اور یہ مزدکیت میرے سامنے کیا چیز ہے؟ اس کی بساط کو اُلٹ دینا تو میرے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ بھلا یہ اشتراکی کوچہ گرد میرا کیا بگاڑ سکتے ہیں؟ یہ بیچارے تو خود ہی پریشان روزگار، پراگندہ روزی، پراگندہ دل ہیں۔

دراصل یہ نظریۂ نفی جو اُن کی طبیعتِ ثانیہ بن چکا ہے اس کا نتیجہ تو فساد فی الارض کی صورت میں نکلنے والا ہے جو ہماری زندگی کا نصب العین ہے۔ لیکن ؎

" ہے اگر مجھ کو خطر کوئی تو اس امت سے ہے
جس کی خاکستر میں ہے اب تک شرارِ آرزو
خال خال اس قوم میں اب تک نظر آتے ہیں وہ
کرتے ہیں اشکِ سحر گاہی سے جو ظالم وضو
جانتا ہے جس پہ روشن باطنِ ایام ہے
مزدکیت فتنۂ فردا نہیں، اسلام ہے "

## ابلیس کی تشخیص

یعنی اے میرے بھولے بھالے شاگردو! جو ذرا بھی نبضِ عالم کا حرکت شناس ہے اور نگاہِ بیدار رکھتا ہے وہ جانتا ہے کہ حقیقت میں مستقبل کا خطرہ اشتراکیت میں نہیں بلکہ اسلام میں ہے کیونکہ اسلام ایک قانونِ فطرت ہے، صالح نظام کا داعی ہے، اعمالِ صالحہ کا سرچشمہ ہے۔ یہ اسلام ہی ہے جس نے اقتدارِ اعلیٰ کا مرتبہ راجہ مہاراجہ، شہنشاہ، پیر فقیر اور ولیوں سے چھین کر صرف خدائے وحدہٗ لاشریک کے لیے رکھا ہے۔ کیونکہ وہی اس کائنات کا خالق و مالک اور حقیقی حکمراں ہے اور یہ اسلام ہی ہے جو اپنے ماننے والوں کا سر ایک بڑے آقا کے سامنے جھکواتا ہے۔ دنیا بھر کی غلامی سے نجات دلا کر صرف ایک خدا کی چوکھٹ سے وابستہ رکھنا چاہتا ہے۔

## اسلام کا نظریہ

اس کا نظریہ ہے کہ دنیا میں اگر کوئی ہز لارڈشپ ہو سکتا ہے تو وہ خدائے واحد ہے۔ کوئی ولی

کوئی کارساز، کوئی مُربّی، کوئی عالیجاہ، کوئی جہانگیر و جہاں پناہ ہو سکتا ہے تو وہ صرف اللہ رب العالمین ہے۔ اور پھر وہ اسلام ہی ہے جو ایک وسیع تر انسانیت کا تصور پیش کرتا ہے، نیز وہ ہر طرح کی نسلی و نسبی اور رنگ و خون کی فضیلتوں کو معدوم کر کے انسانی اعمال کو شرف و احترام کا مستحق ٹھہراتا ہے اور یہ اسلام ہی ہے جو انسان کی انفرادی اصلاح ہی نہیں کرتا بلکہ عالمِ بشریت کی اجتماعی زندگی میں ایک ایسا انقلاب چاہتا ہے جو اس کے قومی و نسبی نقطۂ نگاہ کو بدل کر اس میں خالص اسلامی تہذیب کی تخلیق کرے، جس کی نمایاں خصوصیات بیان کرتے ہوئے مولانا مودودیؒ نے اپنی بلند پایہ تصنیف "اسلامی تہذیب اور اس کے اصول و مبادی" میں اشارات فرمائے ہیں۔

## اسلامی تہذیب

- اس تہذیب میں خدا کی حیثیت حاکمِ مطلق کی سی ہے۔ وہ سلطنت کا شہنشاہ ہے۔ رسول اس کا نمایندہ اور قرآن اس کی کتابِ آئین ہے، جو شخص اس کی شہنشاہی کو تسلیم کر کے اس کے نمائندہ کی اطاعت اور اس کی کتابِ آئین کا اتباع کرنا قبول کرے وہ اس کی سلطنت کی رعیت ہے۔
- چونکہ اس تہذیب کا اصل مقصد آخرت کی کامیابی کے لیے انسان کو تیار کرنا ہے اس لیے انسان سے مطالبہ کرتی ہے کہ وہ زندگی کے تمام معاملات میں خدا کی اطاعت کرے۔ اس لیے یہ دین و دنیا کی جامع ہے۔

- ______ یہ تہذیب قومی، ملکی یا نسلی نہیں ہے۔ یہ انسان کو بحیثیت انسان خطاب کرتی ہے اور تمام انسانوں کو اس علمِ صحیح اور عملِ صحیح کے فیض میں شریک کرنا چاہتی ہے۔ اس لیے یہ ہر اس شخص کو اپنے دائرے میں لے لیتی ہے جو توحید، رسالت، کتاب اور یوم آخرت پر ایمان لائے اور اس طرح یہ عالمِ انسانی کو اپنے دائرے میں سمیٹ لینے کی صلاحیت رکھتی ہے۔
- ______ اس تہذیب کی نمایاں خصوصیت اس کا زبردست ڈسپلن اور طاقتور گرفت ہے۔ یہ ہر شخص کے نفس میں ایسی پولیس متعین کردیتی ہے جو ہر وقت اور ہر حال میں اس کو اطاعت پر اُبھارتی ہے اور نافرمانی کی صورت میں آخرت کا خوف دلاتی رہتی ہے اور اس طرح ایسی قوتِ نافذہ پیدا کردیتی ہے جس کی وجہ سے دلی رغبت کے ساتھ آدمی خدا کی اطاعت کرتا رہتا ہے۔
- ______ یہ تہذیب ایک صالح معاشرہ پیدا کرنا چاہتی ہے اس لیے یہ افراد کے نفوس کا تزکیہ کرتی اور صحیح و پاکیزہ ذہنیت ان کے اندر پیدا کرنا چاہتی ہے جس کا ذریعہ ایمان کا راسخ ہونا ہے۔
- ______ اس تہذیب کے ایمانیات میں وہ قوت بھی ہے جو انسان کے اعلیٰ خصائص کو فروغ دے سکے اور اس طرح زندگی کی کامیابی

و کامرانی حاصل کرنے میں اس کے افراد کسی سے پیچھے بھی نہیں
رہتے بلکہ سب سے آگے نظر آتے ہیں مگر اسی کے ساتھ حدود سے
تجاوز بھی نہیں کرتے۔"

اسی لیے مجھے ملتِ اسلامیہ کی بیداری سے ڈر لگتا ہے۔ اگر وہ خواب سے بیدار ہوگئی تو ہماری خیر نہیں ہے، اس کی حرکت وعمل کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہمارے نظامِ فکر کے تمام تار و پود بکھر جائیں گے، ہماری سعیِ پیہم کی کرامتیں بے اثر ہوجائیں گی، یہ ملوکیت کا استبداد، سرمایہ ومحنت کی کشمکش، بندہ و آقا کی رسّہ کشی اور صنفی انارکی کا جوش وخروش جو ہماری برسوں کی کوششوں کا نتیجہ ہے سب ختم ہو جائے گا اور پھر فساد فی الارض کا ہمارا خواب بھی شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکے گا۔

گو میں یہ بھی جانتا ہوں کہ اس موجودہ دور میں یہ امت حاملِ قرآن نہیں ہے اور پیغمبرِ عربی کے پیغام کو بھولی ہوئی ہے اور بندۂ مومن بھی آج اسی سرمایہ داری آئین پر عمل کر رہا ہے جس پر فرنگی جادوگروں نے انھیں ڈال دیا ہے اور مشرق کی شبِ تاریک میں پیرانِ حرم کی آستین بے یدبیضا کے ہے۔ اس موقعہ پر اقبال نے جو اشعار قلم بند کیے ہیں وہ بڑے جامع، نتیجہ خیز اور شیطانِ لئیم کے دلی جذبات کے پوری طرح آئینہ دار ہیں، انھیں پڑھ کر یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ملتِ اسلامیہ اور اس کی تہذیب کی بیداری سے کیوں لرزہ براندام ہے ؂

"جانتا ہوں میں یہ اُمت حاملِ قرآں نہیں
ہے وہی سرمایہ داری بندۂ مومن کا دیں

جانتا ہوں میں کہ مشرق کی اندھیری رات میں
بے یدِ بیضا ہے پیرانِ حرم کی آستیں ؛"

یعنی وہ اپنے شاگردانِ رشید کو پیرانِ حرم کی آستین بے ید بیضا کہہ کر بتانا یہ چاہتا ہے کہ آج مسلمان کی حالت یہ ہے کہ اس کا سینہ اس وقت سوز و گداز سے بالکل خالی ہے اور اس کی زندگی اس وقت سراسر جمود و سکون ہے۔ اللہ نے اُسے اس لیے پیدا کیا تھا کہ وہ دنیا کے لوگوں کی قیادت کرے، انہیں صراطِ مستقیم کی طرف رجوع کرے اور وہ گمراہ انسانوں میں ایمان کی روح پھونک دے لیکن آج خود وہ راکھ کا ڈھیر ہے۔ اس کے پاس چراغِ مبین تھا جسے اُس نے طاقِ نسیاں میں رکھ دیا اور اس وقت خود وہ اندھیرے میں بھٹک رہا ہے۔ وہ دنیا میں امارت کے منصب پر فائز کیا گیا تھا مگر آج خود اس کی زندگی ذلت و خواری کا مرقع ہے۔ وہ کبھی صاحب اسرار و روشن صفات تھا مگر آج اُس کے وجود کی کوئی قدر و قیمت نہیں اور

• ـــــــ "اب وہ مشکلات کا مقابلہ نہیں کرسکتا اس کی آستین، بے یدِ بیضا رہ گئی ہے، اُس نے اپنے اصلی جوہر کو کھو دیا ہے، اُس کی نگاہ تلوار سے زیادہ تیز تھی؛

وہ غیر محدود طاقت کا مالک تھا،
وہ قوموں کی تقدیر کا فیصلہ کرتا تھا،
جہانِ آب و گل سے عالمِ جاوید کی خاطر نبوت اس کا تحفہ

لے گئی تھی۔

وہ اب اُس مقام سے گر گیا ہے۔ وہ اس وقت بے دینی میں مبتلا ہے۔"

## ابلیس کا اندیشہ

لیکن ان سب باتوں کے باوجود عصر جدید کی بڑھتی ہوئی بے چینیوں کے باعث مجھے یہ ڈر ہے کہ کہیں مردِ مومن پر شرعِ پیغمبر آشکارا نہ ہو جائے:

- ــــ یہ آئین معرفت کا خزانہ اور دردِ انسانیت کا چارہ ساز ہے۔
- ــــ یہ آئین اخلاقی صفات اور حریتِ افکار کا سرچشمہ ہے۔
- ــــ یہ آئین خیر و شر میں امتیاز پیدا کرنے والا ہے۔
- ــــ یہ آئین قلبِ انسان میں دینی حرارت کا جذبہ ابھارتا ہے۔
- ــــ یہ آئین پست ہمت لوگوں میں حوصلہ و ہمت کی روح پھونکنے والا ہے۔
- ــــ یہ آئین ابن آدم کو اکلِ حلال اور صدقِ مقال کا پابند بناتا ہے۔
- ــــ اس کے ذریعہ معرفتِ نفس اور معرفتِ الٰہی کے اسرار کھلتے ہیں۔
- ــــ اس کے اپنانے سے انسان میں جذبۂ شعور پیدا ہوتا ہے۔ اس کے وجدان اس کی نظر اور اس کے یقین کو شہپرِ روح الامین مل جاتا ہے جس سے وہ تسخیرِ کائنات کے فرائض انجام دیتا ہے، اسی لئے اَلْحَذَر آئینِ پیغمبر سے سو بار اَلْحَذَر!

حافظ ناموس زن مرد آزما مرد آفریں

اپنے شاگردانِ رشید کو نصیحت کرتے ہوئے وہ مزید آگے کے اشعار میں وضاحت کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اے میرے شاگردو! تم بھی اس آئین سے سو سو بار پناہ مانگو کیونکہ زن، زر، زمین جو ازل سے جھگڑے کی اساس

ہیں، یہ آئین اُن کا پرسکون حل پیش کرتا ہے۔ یہ آئین حافظ ناموس زن ہے اور عورت کو سرمایۂ ملت کا نگہبان بناتا ہے، اس کے نزدیک عورت کی عصمت سب سے زیادہ قیمتی چیز ہے۔ وہ عورت کو معاشرے میں بلند مقام عطا کرتا ہے، وہ اُسے ہر قسم کی افراط و تفریط سے بچاتا ہے، وہ اُسے شمع انجمن بننے کے بجائے چراغ خانہ بننے کی ہدایت کرتا ہے، نیز وہ عورت کی نسوانی صلاحیتوں کو حد اعتدال تک اُبھارتا ہے اور اس کو حیا و ایمان کا پابند کر کے فتنہ کے ہر دروازے کو بند کرتا ہے۔

حالانکہ ہمارا سب سے بڑا ہتھیار عورت ہی ہے۔ ہمارا کوئی کام آگے نہیں بڑھ سکتا جب تک کہ عورت بے پردہ ہو کر گھر سے باہر آکر تگنی کا ناچ نہ ناچے۔ یہ تفریحی مشاغل، یہ کلبوں کی گرم بازاری، یہ مخلوط تعلیم کی آزادی، یہ اسٹیج کے رقص و سرود، یہ ننگی تصویریں، یہ عشقیہ افسانے، یہ عریاں ناچ اور شہوانی جذبات سے بھرے ہوئے فلم صرف عورت کی بے پردگی سے وابستہ ہیں۔

## آئین پیغمبر کے مزید اثرات

پھر یہ آئین مرد آفریں بھی ہے اور مرد کو صحیح رتبہ دیتا ہے، اُسے ذوقِ آگہی، ولایتِ پادشاہی اور علمِ اشیاء کی جہانگیری عطا کرتا ہے، نیز یہ آئین حرص و ہوس کے طلسم کو توڑ کر دولت کو ہر آلودگی سے پاک وصاف کرتا ہے اور منعموں کو مال و دولت کا امین بناتا ہے، اس کے علاوہ یہ آئین اپنے اندر اساسی انقلاب رکھتا ہے۔ عدم مساوات، امتیازِ رنگ و خون اور فضیلتِ نسل و وطن، غرض ہر نوعِ غلامی کو ختم کرنے والا ہے۔

دوسرے الفاظ میں شیطان کا مطلب یہ ہے کہ یہ آئین اونچ نیچ، چھوت چھات اور رنگ ونسل کی ذہنی پستیوں کو پسند نہیں کرتا، وہ معاشرے میں مساوات اور بھائی چارہ قائم کرنا چاہتا ہے، خیالات، عقائد، اخلاق وکردار، عبادات، پوجا پاٹ، رہن سہن، کاروبار، تجارت، لین دین، حکومت، سیاست غرض زندگی کے ہر پہلو اور ہر میدان میں افراتفری کو ختم کرتا ہے۔

کچھ طبقے ایسے ہیں کہ معاشرے کے لحاظ سے پست ہیں، کچھ سیاست کی چکی میں پس رہے ہیں، کچھ مذہب اور دھرم کے نام پر دبا دیے گئے ہیں، کچھ پیدائشی طور پر نیچ ذات اور اچھوت قرار دیدیے گئے ہیں، یہ آئین ان سب کے ساتھ ہمدردی رکھتا ہے وہ ان سب گرے پڑے لوگوں کو ظلم سے بچا کر انھیں انصاف سے مالا مال کرتا ہے اور سب کو برابری کا حق دیتا ہے۔

یہاں نہ کوئی فغفور و خاقان ہے نہ گدائے راہ، نہ محمود ہے نہ ایاز، بلکہ سب برابر ہیں۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ یہ زمین کو اللہ کی ملکیت قرار دیتا ہے۔ اس سلسلہ میں اقبال نے فلسفۂ ملکیت سے متعلق جو پیرایۂ بیان اختیار کیا ہے وہ بڑا مؤثر ہے۔ وہ زمین کو اللہ تعالیٰ کی ملکیت سمجھتے ہیں اس لیے اس کی تقسیم بھی اُسی طرح چاہتے ہیں جس طرح زمین کے حقیقی مالک نے مقرر کی ہے، اسی لیے شیطان بھی بوکھلا جاتا ہے اور کہتا ہے کہ

اس سے زیادہ اور کیا فکر و عمل کا انقلاب
پادشاہوں کی نہیں اللہ کی ہے یہ زمیں

کرتا ہے دولت کو ہر آلودگی سے پاک صاف
منعموں کو مال و دولت کا بناتا ہے امین
موت کا پیغام ہر نوعِ غلامی کے لئے
نہ کوئی فغفور و خاقاں نہ گدائے رہ نشیں

## انقلابی تصور

اقبال اس موقع پر بتانا چاہتے ہیں کہ انسان انسان کی حکومت نہیں بلکہ خدا کی حکومت ہے کیونکہ اس کائنات اور کائنات کی ہر چیز کا مالک وہی ہے۔ ملکیت کا دعویٰ کرنے والے سب بادشاہ، امیر اور سرمایہ دار خدائی کے جھوٹے دعوے دار ہیں، یہ کتنا بڑا انقلابی تصور ہے۔ اس کی رو سے سب کے سب انسان خدا کے بندے اور اس کے غلام ہیں اس لیے انھیں اپنے تمام معاملات میں اسی کی بندگی کرنی چاہیئے۔ اس انقلابی پیغام کو جو شخص بھی قبول کر لیتا ہے وہ ایک عالمگیر برادری سے منسلک ہو جاتا ہے، وہ چاہے مشرق کا رہنے والا ہو یا مغرب کا، چاہے گورا ہو یا کالا، حبشی نیگرو ہو یا سفید فام امریکن حتیٰ کہ تاتار کا چرواہا بھی خلیفتہ المسلمین کے برابر کھڑا ہو سکتا ہے اور اپنے اچھے عمل سے خدا کی عطا کی ہوئی نعمتوں کا مستحق بن جاتا ہے۔ اور جو اُسے رد کر دیتا ہے وہ خالقِ کائنات کی رحمتوں سے دور ہو جاتا ہے۔

## شیطان کی آرزو

شیطان چاہتا ہے کہ انسان اس کی رحمتوں کا مستحق نہ بننے پائے۔ دنیا میں کسی فرد کو بھی عرفان و ایمان حاصل نہ ہو اور کسی طرح بھی فلاح و نجات کا راستہ نہ کھلے

چنانچہ اس کے لیے یہ بات غنیمت ہے کہ آج مردِ مومن محرومِ یقین ہے، اس کو اس آئینِ پیغمبر سے دور کا واسطہ بھی نہیں ہے، اخلاق وکردار کی وہ بلندی جو ایک مومن کا طرّۂ امتیاز ہوتا ہے اُس سے اُن کی زندگیاں خالی ہیں، دنیا کی امامت کے لیے جس ایمانی سوز و گداز، عملی پاکیزگی اور علمی برتری کی ضرورت ہے اُس سے بھی اب یہ بے بہرہ ہے۔ مختصر یہ ہے کہ آج مسلمان کے دل میں نہ ایمان کی گرمی نہ روح میں ذوقِ آگہی، نہ نظر میں وسعت نہ گفتار وکردار میں یکسانیت، بلکہ اس کے خلاف بحث وتکرار اس اللہ کے بندے کی سرشت بن گئی ہے۔ برسوں سے یہ کتاب اللہ کی تاویلات میں اُلجھا ہوا ہے اور الٰہیات کے نئے نئے مسائل طے کرنے میں اپنی ساری قوت صرف کر رہا ہے اور آج اس سائنس کے دورِ ارتقاء میں وہ یہ سوچ رہا ہے کہ ؎

ابنِ آدم مر گیا یا زندۂ جاوید ہے
ہیں صفاتِ ذاتِ حق، حق سے جُدا یا عینِ ذات
آنے والے سے مسیحِ ناصری مقصود ہے
یا مجدّد جس میں ہوں فرزندِ مریم کے صفات
ہیں کلام اللہ کے الفاظ حادث یا قدیم
امتِ مرحوم کی ہے کس عقیدے میں نجات
کیا مسلماں کے لیے کافی نہیں اس دور میں
یہ الٰہیات کے ترشے ہوئے لات و منات

شیطان کی اس گفتگو پر اگر ذرا ٹھنڈے دل سے غور کیا جائے تو خود ہی اندازہ ہو سکتا ہے کہ یہ لات و منات کسی سنگ تراش کے یہاں نہیں بلکہ خود مسلمان کے فکر و ذہن کی پیداوار ہیں۔ ان کا مسکن کوئی مندر یا معبد نہیں بلکہ خود قلب مومن ہے۔ مال و دولت، دنیا سے وابستگی، غیر اللہ کا خوف، موت کا ڈر اور اہل و عیال کی محبت سب کے سب چھوٹے بڑے بت ہی تو ہیں جو انسان کو اصل نصب العین تک نہیں پہنچنے دیتے۔ بلکہ اُلٹا مستی و معصیت، عجز و بے چارگی، کمزوری و محرومی، ضلالت و سرکشی اور جہادِ زندگی سے فرار کی راہ دکھاتے ہیں۔ ان بتانِ نوع بنوع کے سامنے جھکنے سے اعلیٰ صلاحیتوں کا گلا گھُٹ جاتا ہے، حرّیت و خودی کا احساس فنا ہو جاتا ہے۔ حق بات سمجھنے کا شعور اُن میں باقی نہیں رہتا۔ اُن کے سینے بہتر زندگی کی آرزو سے خالی ہو جاتے ہیں، بوڑھوں سے شرم و حیا رخصت ہو جاتی ہے، عورتیں اپنا جوہرِ عصمت کھو بیٹھتی ہیں، جوانوں کا گرم خون سرد پڑ جاتا ہے، ایثار و قربانی کے صفاتِ عالیہ سے وہ محروم ہو جاتے ہیں۔ آپس کے بحث و مباحثہ اور مناظرہ بازی میں وقت گذرنے لگتا ہے۔

## مسلم ملت کی کیفیت

مسلم ملت آج اسی قسم کے بحران کا شکار ہے۔ نجی محفلیں ہوں یا اجتماعی، مدرسے ہوں یا مسجدیں، عبادت گاہیں ہوں یا خانقاہیں، سب جگہ حجت طرازیوں اور موشگافیوں کا بازار گرم ہے۔ ہمارے علماء و فقہا کی صلاحیتیں اور ذہنی قوتیں، فروعی و فقہی اختلافات کی نذر ہو کر رہ گئی ہیں۔ اور مدّت سے

وہ دور از کار بحثوں میں اُلجھے ہوئے ہیں۔ اس سلسلے میں صاحب" افکار و سیاسیات" کے مندرجہ ذیل اشارات یقیناً سبق آموز و عبرت آموز ہوں گے جو موصوف نے مسلمانوں کے دور زوال کے متعلق کئے ہیں:

حملۂ تاتار کے وقت ادھر تو بلخ و بخارا میں ہلاکو خان کی تلوار مسلمانوں کے خون کی ندیاں بہا رہی تھی اُدھر علمائے فقہاء اسلام آپس میں ایک دوسرے سے سر بگریباں تھے اور ملّت میں اختلافات و نزاعات پیدا کر کے اپنے اپنے گروہ کو جنت کا ٹکٹ بانٹ رہے تھے۔ شافعی، حنبلی و حنفی و مالکی علماء لفظی مناظروں میں مصروف تھے، شیعہ سُنّی کی معرکہ آرائی کے بدولت بغداد کی سڑکوں اور شاہراہوں پر باہمی جنگیں ہو رہی تھیں کہ تاتاری یلغار عذابِ الٰہی کی صورت میں اُن پر مسلّط ہو گئی جس نے عروس البلاد کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ علمائے فقہاء کے ساتھ ساتھ ابن خلدون کی تحقیق کے مطابق سولہ لاکھ جانیں تلف ہوئیں حتیٰ کہ خلیفہ کو بھی نمدے میں لپیٹ کر مارا گیا، مرنے سے قبل جب کئی روز کی اشتہاء کے بعد خلیفہ نے کھانا طلب کیا تو ایک عمدہ طشت میں ہیرے جواہرات سجا کر سامنے لائے گئے۔ خلیفہ نے کہا ان کو کیسے کھاؤں تو جو جواب

ہلاکو خاں کی طرف سے ملا وہ بڑا عبرت انگیز تھا۔
اس نے کہلا کر بھیجا:
" اگر جواہرات سے ایک بڑا لشکر تیار کیا ہوتا تو آج
یہ روزِ بد کیوں دیکھنا پڑتا۔ جو چیز تمہاری ایک
وقت کی بھوک بھی دور نہیں کر سکتی اس کے انبار
جمع کرنے سے کیا فائدہ تھا۔"

شیطان، ملتِ اسلامیہ کی اس کیفیت، فروعی فقہی اختلافات اور فکر و عمل کے انتشار سے بہت خوش ہے، اس کے دل کو اس بات سے تسکین ہے کہ مسلمان مسیحِ موعود کے انتظار میں ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے ہیں، اس کی اعلیٰ صلاحیتوں کو گھن لگا ہوا ہے، اُن میں قلبِ تپاں، چشمِ بینا اور خلیلی صفات کا فقدان ہے، نیز دوسروں کے لیے اس جہانِ رنگ و بو کو چھوڑ کر اس نے قیامت تک کے لیے غلامی کو پسند کر لیا ہے۔ اس کیفیت کو وہ اپنے مشن کے لیے خیر قرار دیتا ہے اور کہتا ہے کہ ؎

خیر اس میں ہے قیامت تک رہے مومن غلام
چھوڑ کر اوروں کی خاطر یہ جہانِ بے ثبات

## مسلم سوسائٹی کے انحطاط کے اسباب

جب کسی قوم کی علمی و عملی قوتیں ختم ہو جاتی ہیں تو وہ وقت گزاری کے لیے آسان قسم کے مشغلے ڈھونڈھ لیتی ہے۔ ماضی میں مسلمان اسی المیہ

کے شکار ہوئے، چنانچہ سرود و نغمہ، رہبانیت اور شعر و شاعری جن کی اسلام میں کوئی گنجائش نہ تھی اور جو قوتِ عمل کے لیے انتہائی مہلک بھی ہیں، دھیرے دھیرے ملت میں رائج ہوتی چلی گئیں۔

اس میں تو کوئی شک نہیں کہ شعر و شاعری جذباتِ انسانی کی آئینہ دار ہوتی ہے اس لیے اس میں اثر بھی ہوتا ہے اور بعض اوقات شعر تلوار سے زیادہ کام کرتا ہے۔ لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جس طرح قوموں کی ترقی میں شعر و شاعری خاطر خواہ مدد کرتی ہے اسی طرح کبھی کبھی پست قسم کی شاعری سوسائٹی کے انحطاط اور زوال کا سبب بھی بن جاتی ہے، جسے سُن سُن کر زندہ انسان جسدِ بے روح میں بدل جاتے ہیں۔

اسی طرح رہبانیت کا تصور جسے خدا تک پہنچنے کا شارٹ کٹ مانا جاتا ہے، مسلمانوں میں ہُو حق کے نعروں کے ساتھ داخل ہوا جس نے قلیل عرصے میں ملت کے ایک بڑے حصے کو کشمکشِ حیات سے ہٹا کر اپنی آغوش میں لے لیا۔

دراصل ملوکیت نے جہاں اسلام میں اور فتنے پیدا کیے ہیں وہیں شعرائے کرام اور صوفیانِ عالی مقام کی پرورش کر کے اسلام کی روحِ جہاد کو سرد کرنے کا ڈھنگ بھی نکالا۔ اس سے تمام سوسائٹی عیش پسندی اور تن آسانیوں کا شکار ہو گئی اور ہزاروں لاکھوں نوجوان اپنی تلوار کو نیام میں بند کر کے تسبیح بدست دنیا سے منہ موڑ کر خانقاہوں کی نذر ہو گئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جہاد کا جذبہ پوری امت کے دل سے

محو ہوتا گیا اور دنیا کی باگ ڈور ابلیس کے فرزندوں کے ہاتھ آتی چلی گئی۔ اسی لیے آج بھی وہ مسلمانوں کو عالم کردار سے بیگانہ رکھنے کے لیے اپنے شاگردوں کو نصیحت کرتا ہے کہ اِن کے حق میں وہی شعر وتصوف بہتر ہے جو انھیں جوہرِ وجدان سے دور کردے اور جو انھیں ایسی بھول بھلیوں میں بھٹکنے کے لیے چھوڑ دے جس کے راستے نومیدئی جاوید کی طرف جاتے ہیں، چنانچہ کہتا ہے کہ ؎

ہے وہی شعر وتصوف اس کے حق میں خوب تر
جو چھپا دے اس کی آنکھوں سے تماشائے حیات

ایک سچے مسلمان کی علامت یہ ہے کہ اگر اُس کے ہاتھ کتاب اللہ سے آراستہ ہوں تو اس کی کمر سیف اللہ سے مسلح ہو اور تمام غیر الٰہی طاقتوں سے بغاوت کر کے وہ بنی نوع انسان کو خودداری و خودگیری کا سبق پڑھائے۔ لیکن شیطان کی تمنا یہ ہے کہ

- ــــــ اس تماشائے حیات کو اس کی آنکھوں سے پوشیدہ رکھا جائے تاکہ وہ
- ــــــ خیر وشر میں امتیاز نہ کر سکے۔
  اس کے دل میں حق وصداقت کے جذبات کارفرما نہ ہو سکیں۔
- ــــــ وہ باطل کی قوتوں کا مردانہ وار مقابلہ نہ کر سکے
- ــــــ اور اس کے دل میں احتسابِ کائنات کا خیال نہ آسکے!

دراصل احتساب کا جذبہ زندگی کی بڑی صفت ہے، یہ تسخیرِ کائنات کا نسخہ ہے، یہ بندے کو مولا صفات بناتا ہے، یہ حیاتِ انسانی کا نصب العین متعین کرتا ہے، یہ بے حس دلوں کو سوزِ آرزو بخشتا ہے، یہ زندگی کے مسائل کو نورِ حق سے دیکھنا سکھاتا ہے، یہ مردِ مومن کی عملی قوتوں کو تیز تر کر دیتا ہے۔

## مسلمانوں کی زبوں حالی کا درماں

اقبال جو ایک دانائے راز تھے وہ مسلمانوں کی پستی اور زبوں حالی کا حقیقی درماں اسی میں سمجھتے ہیں کہ یہ اپنا احتساب کریں۔ یہ بات کسی حسنِ ظن یا عقیدت پر مبنی نہیں ہے بلکہ

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

پر ایمان لانے کا تقاضہ یہ ہے کہ انسان شعور سے کام لے اور غور و فکر کرے، غور و فکر کرے گا تو اُسے معلوم ہوگا کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کے نظریہ میں انسانی حرّیت کا عظیم الشان اعلان ہے۔ اس میں اس بات کا اظہار ہے کہ اس کائنات کا مالک، حاکم، آقا، شہنشاہ اللہ وحدہٗ لاشریک ہے۔ اس میں اس بات کا عزم ہے کہ نہ ہم غلامی پر رضا مند ہوں گے نہ کسی انسان کو غلام رہنے دیں گے۔ ہم ان سب فاسد نظاموں کو مٹائیں گے جن میں انسان دوسرے انسانوں پر خدا بنے بیٹھے ہیں گویا یہ اعلانِ جنگ ہے ان سب قوتوں

کے خلاف جو خدائی کی دعویدار ہیں، اس لیے شیطان کہتا ہے کہ ؎

ہر نفس ڈرتا ہوں اس امت کی بیداری سے میں
ہے حقیقت جس کے دیں کی احتسابِ کائنات

اور پھر اپنے تربیت یافتہ گُرگوں کو ترغیب دیتا ہے کہ تم اس کو یعنی مسلمان کو عالم کردار سے بیگانہ رکھو۔ اس کی توجہ ذکر و شغل اور مراقبے کی طرف پھیر دو اور اس کو مزاجِ خانقاہی میں پختہ تر کر دو جس سے بساطِ زندگی پر اس کے سب مُہرے مات کھات جائیں، اس کی اعلیٰ صلاحیتوں پر جمود و تعطل چھایا رہے، پیہم حرکت اور سخت کوشی کی جگہ یہ عیش پروری اور تن آسانی کا خوگر بنا رہے جس سے ہم اپنا تانا بانا اطمینان کے ساتھ بُنتے رہیں، اس لیے تم ؎

مست رکھو ذکر و فکرِ صبح گاہی میں اسے
پختہ تر کر دو مزاجِ خانقاہی میں اسے

.....*.....

یہ نظم یہاں ختم ہو جاتی ہے۔ اس نظم میں اہلِ علم حضرات کے لیے روحانی و فکری ہر طرح کا مواد موجود ہے۔ شاعر کا اشہبِ قلم نئے ارادوں اور جوان تمنّاؤں کے ساتھ آگے بڑھتا ہے اور شاعر کی قوتِ متخیلہ کا ساتھ دیتا ہے، نیز نہایت چابکدستی سے ابلیس کی خلوتِ خاص کے رازہائے سربستہ کو بے نقاب کر دیتا ہے۔ اُردو میں

اس قسم کی نظموں کا فقدان ہے۔

یہ نظم اقبال کے پختہ خیالات کا نچوڑ ہے۔ ان کے افکار کی معراج ہے۔ اقبال نے اپنے برسوں کے مشاہدات اور تجربات کی روشنی میں مغرب کی لادینی سیاست کے نشیب و فراز اور بے خدا تہذیب کے نتائج و اثرات پر سیر حاصل تبصرہ کیا ہے تاکہ ابنِ آدم شیطان کی ذریت کے پھیلائے ہوئے دام ہمرنگِ زمیں سے واقف ہو جائیں۔

شیطان خود پرستی، کبر اور بدی کا پیکرِ مجسم ہے۔ وہ ابنِ آدم کا روزِ ازل سے دشمن ہے کیونکہ اس کی تخلیق نے اس کو معلم الملکوت کے مرتبہ سے گرا کر راندۂ درگاہ کے درجہ پر پہنچا دیا ہے اور انسان کو اشرف المخلوقات کا خطاب مل گیا، شیطان مذہب و اخلاق کا بھی مخالف ہے کیونکہ وہ انسان کے اندر تہذیب و شائستگی پیدا کرتے ہیں۔ وہ ایمان و اسلام سے بھی خائف ہے کیونکہ وہ روحِ انسانی کو نورِ حق عطا کرتے ہیں۔ وہ ان آئین اصلاح سے بھی سخت بیزار ہے جو صحیح زندگی گزارنے کا ڈھنگ بتائیں۔ وہ بنی نوع انسان کو اُس تعلیم سے بھی کورا رکھنا چاہتا ہے جس سے اُس کو ذاتِ باری کا قرب حاصل ہو۔

غرض یہ نظم ہر اعتبار سے مکمل ہے۔ شیطان کی نفسی کیفیات کی آئینہ دار ہے۔ عہدِ حاضر کے امراض کی تشخیص جس لطیف انداز سے پیش کی گئی ہے اس سے زیادہ دل کش طریقے سے ظاہر کرنا ناممکن ہے۔ ابلیس اپنی غیر معمولی فتوحات کا بار بار تذکرہ کرتا ہے مگر اپنے حالِ دل

کو بھی چھپا نہیں سکا ہے ۔ اس کے دل کا اضطراب اس کی گفتگو سے عیاں ہے ۔ اس کو یہ خوف کھائے جا رہا ہے کہ کہیں اسلام کی ملتِ خوابیدہ بیدار نہ ہو جائے ۔ ان اشعار میں اقبال کا اشارہ اس نکتے کی طرف ہے کہ مسلمان ایک اعلیٰ ترین استعداد رکھتا ہے ۔ بس اُسے خود کو رضائے الٰہی کے مطابق تمام مادّی قسم کی خواہشات کی زنجیروں سے آزاد کرانے کی دیر ہے پھر وہ جو عزم کرے گا پورا ہو گا، جو مقصد لے کر اٹھے گا وہ حاصل ہوئے بغیر نہ رہے گا، ظلم و جور کی قوتوں سے ٹکرائے گا تو اُن کو پاش پاش کر دے گا، شب تاریک کو جگمگانے کی بات سوچے گا تو مہرِ عالمتاب کی طرح تمام ظلمتیں ان کے سامنے سے کافور ہو جائیں گی، اس میں تسخیرِ کائنات کا جذبہ پیدا ہو گا تو فطرت اُس کے لیے اپنے خزانے کھول دے گی چنانچہ اس نظم کے ذریعہ اقبال نے مسلمانوں کو حسبِ ذیل اسباق دیے ہیں:

- ——— اسلام دینِ فطرت ہے، یہ بڑی قابلِ قدر چیز ہے ۔ اس سے بہتر کوئی نظام دنیا میں موجود نہیں ہے جو امن و سلامتی کا ضامن ہو۔ وہ صرف انسان کی اخلاقی اصلاح کا ہی داعی نہیں ہے بلکہ وہ اجتماعی زندگی میں بھی یک ایسا انقلاب چاہتا ہے جو اس کے قومی و نسلی نقطۂ نظر کو یکسر بدل کر اس میں خالص

انفعالی ضمیر کی تخلیق کرے۔

• ـــــــ اس وقت دنیا بےچینیوں سے کراہ رہی ہے، وہ ہر ایک نظام/تحریک جیسے آمریت، فسطائیت، اشتراکیت اور جمہوریت کا تجربہ کر چکی ہے لیکن باوجود بلند بانگ دعووں کے کوئی تحریک کوئی ازم اس کی پیاس بجھانے کا سامان، اس کے درد کا درماں اور اس کے مرض کا مداوا نہ ہو سکی۔ اب وقت ہے کہ ہم دنیا کے سامنے دینِ اسلام کو بطور نظامِ حیات پیش کر دیں۔

• ـــــــ افرنگی تمدن بظاہر تنومند، روشن و بُرّاق ہے لیکن اس تمدن کے اثرات ہیبتناک ہیں، خود غرضی، رقابت، فریبِ نفس اور صنفی انارکی وہ بدترین اخلاق ہیں جو اس تمدن کی دین ہیں جس کے پیچھے شیطان کا ہاتھ کارفرما ہے اور شیطان ابن آدم کا کھلا دشمن ہے۔ صدق و صفا کی قدروں کو نیست و نابود کرنا اس کی زندگی کا اولین مقصود ہے اس لیے وہ اس کو صراطِ مستقیم سے بھٹکانے

کا کردار ادا کر رہا ہے۔ دنیا میں نسلی، قبائلی، قومی امتیازات وتعصبات کو اس نے ہوا دی ہے۔ جمہوریت، اشتراکیت اور استعماریت اور وطنیت کے نئے نئے دل آویز شوشے چھوڑ کر اس نے انسان کو ایسے عالم میں پہنچا دیا ہے کہ جس کی صبح اس کی شام سے بھی زیادہ تاریک ہو گئی ہے۔

● ـــــــ اس تہذیب کا سب سے بڑا فتنہ یہ ہے کہ یہ انسانوں کو خدا پرستی کی جگہ وطن پرستی قوم پرستی یا نسل پرستی کا خوگر بناتی ہے۔ اس تہذیب میں دل کی آنکھیں بے نور ہو جاتی ہیں، مزید یہ کہ یہ روحانیت اور اخلاقِ حسنہ کا بھی دشمن ہے، اسی کی بنا پر انسان، مادیت میں غرق ہو کر کفر والحاد کے راستے پر بے عنان دوڑنے لگتا ہے۔

● ـــــــ تہذیب مغرب سے مراد اہل یورپ کی وضع قطع یا لباس نہیں ہے بلکہ رجحانِ طبع یا اندازِ فکر ہے جس کی وجہ سے انسان، خدا، آخرت وحی ورسالت، ضمیر واخلاق اور آدمیت سے

بے گانہ ہو جاتا ہے۔ اسلام اس کے برعکس خدا و آخرت کو مقصودِ حیات قرار دیتا ہے۔ اس لیے کوئی مسلمان تہذیبِ مغرب کو اختیار کرنے کے بعد مسلمان نہیں رہ سکتا۔

• ______ جمہوریت، اشتراکیت اور ایسی ہی نام نہاد اصلاحی تحریکوں سے دھوکا نہیں کھانا چاہیے۔ کیونکہ یہ تحریکات ہی اُبھی۔ پریشان روزگاری اور آشفتہ سری سکھارہی ہیں۔ بظاہر یہ سب تحریکیں ہر وقت زندگی کو مادّی سہولتیں بہم پہنچانے کے راگ الاپتی ہیں اور انسان کو ہمہ وقت روزی کمانے کی فکر لاحق ہو جاتی ہے لیکن ذرا شعور سے کام لیا جائے تو دراصل یہ تحریکیں انسان کو حیوان مانتی ہیں جس کی زندگی کا مقصد سوائے پیٹ بھرنے کی فکر کے کچھ نہیں ہے۔ اُن کا فلسفہ زندگی اور انسانیت کی اعلیٰ قدروں کے لیے تباہ کن ہے اور حقِ خود ارادیت کے پردے میں کمزوروں پر مزید جَور و استبداد مسلّط کرنا ہے ______

• ______ دنیا میں ملّتِ اسلامیہ کا مقام بہت بلند ہے۔ وہ نیکی و بدی کی حدِ فاصل ہے۔

وہ اخلاقی دنیا کا مینارۂ نور ہے، وہ حوصلہ وہمت کا لامحدود خزینہ ہے، وہ عشق الٰہی کا سنگ میل ہے، وہ قوموں کی تقدیروں کا فیصلہ کرتی ہے، اس کو احتسابِ نفس، احتسابِ کائنات اور احتسابِ آخرت کا کام سپرد کیا گیا ہے، اب قیامت تک کوئی نبی نہیں آئے گا، نبیوں کے کام کی ذمہ داری بھی اس امت کے کاندھوں پر ڈال دی گئی ہے تاکہ یہ دنیا کی قوموں پر آخرت میں گواہ بن کر کھڑی ہو سکے۔

● ـــــــ مسلمانوں کو ہر طرف سے منہ موڑ کر آئین پیغمبر کو صدق دلی سے اپنا لینا چاہیے۔ کیونکہ یہ آئین حافظِ ناموسِ زن بھی ہے اور مردِ آزما و مرد آفریں بھی۔ یہ آئین نسل و نسب کے تفاخر کو مٹاتا ہے۔ یہ محبت، اخوت اور مساوات کے جذبے کو فروغ دینے والا ہے اور سب سے بڑی بات یہ کہ یہ آئین دین و دنیا کی تفریق کو مٹاتا ہے، یہ قرآن و حدیث کی شکل میں محفوظ ہے۔ اس لیے اگر رضائے الٰہی کے حصول کی تمنا ہے تو قرآنِ حکیم کو اپنا رہنما بنانا چاہیے اور اسی سے استفادہ کرنا چاہیے۔ کیونکہ قرآن حکیم

انسان کو حقیقی زندگی عطا کرتا ہے۔ جو شخص اس کی تعلیمات پر عمل کرتا ہے وہ موت سے بے خوف ہو جاتا ہے اور بحیثیت خلیفتہ اللہ دنیا میں زندگی گزارتا ہے، اسی وجہ سے شیطان نہیں چاہتا کہ یہ آئین لوگوں کے سامنے آئے۔

- ____ بحث و مباحثہ، کتاب اللہ کی تاویلات اور لایعنی مسائل میں الجھنا، اس جدوجہد کی دنیا میں ٹھیک نہیں ہے یہ پتھر کے بت نہ سہی مگر یہ چیزیں لات و منات سے کم نہیں ہیں جو انسان کو صراطِ مستقیم سے ہٹا کر گمراہی کی ٹیڑھی میڑھی پگڈنڈیوں پر ہانک دیتی ہیں جہاں وہ عمر بھر بھٹکتا رہتا ہے اور ڈور کو ہزار ہزار کوشش سے سلجھانے کے بعد بھی اُسے سِرا نہیں مِلتا۔
- ____ یہ دنیا تگا پوئے دمادم اور گردشِ پیہم کا دوسرا نام ہے۔ اگر مسلمان اسی طرح عالم کردار سے بے گانہ رہے تو بساطِ زندگی سے اس کے سارے مہرے مات ہو جائیں گے اور لوگ بازی مار لے جائیں گے۔
- ____ خانقاہیت اور گوشہ نشینی، قابلِ قدر طریق زندگی نہیں ہے کیونکہ یہ انسان کو بے عملی، تن آسانی اور نومبدئ جاوید کا خوگر بناتی ہے۔ آج جو جہاد بالسیف کی جگہ مجاہدہ بالتسبیح، عُزلت گزینی اور گوشہ گیری مسلمان کا

شعار ہو گیا ہے۔ وہ کسی طرح ٹھیک نہیں ہے۔ یہ تو کشمکشِ حیات سے فرار کی راہ ہے۔ اس طرح باطل کے سامنے ہتھیار ڈال دینا، دنیا کو مجموعۂ اشرار تصور کر کے گوشہ نشینی اختیار کرنا زندگی کی سب سے بڑی شکست ہے اور نبی کریم کی سیرت سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔

• ——— یہ تصور کہ مسلمان کا حصہ آخرت میں ہے اس کو جو کچھ ملے گا اُسے قیامت کے لیے اٹھا رکھا جائے ایک زوال آمادہ تصور ہے جو غلامی و نکبت کا پیدا کردہ ہے۔ اسلام کے نزدیک زمین کی وراثت اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت ہے جو اعمالِ صالحہ کے بدلے عطا کی جاتی ہے جیسا کہ قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے:

اِنَّ الْاَرْضَ یَرِثُھَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ۔

اس لیے سچے مسلمانوں کو اس دنیا میں بھی اللہ کے انعامات سے نوازا جائے گا اور آخرت میں بھی۔